حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ایک صحابیہ ـــ ایک نامور شاعرہ (۲)

ـــــ از: پروفیسر سلیم الرحمٰن ـــــ

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت خنساءؓ کے درد انگیز اشعار سن کر افسردہ ہوجایا کرتے تھے۔ حضرت خنساءؓ کے مرثیوں کے اس فکری پہلو کے علاوہ شاعرہ کی زبان دانی، لسانی ادراک اور فنی پہلوؤں کو بھی آنحضرتؐ خوب محسوس فرمایا کرتے تھے۔ ان واقعات اور دادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان دانی، فنی عظمت اور فکر و فن کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عربی زبان کی بلاغت کے سلسلے میں بذاتِ خود ایک اتھارٹی ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنحضورؐ کی ابتدائی پرورش ایک ایسے قبیلے میں ہوئی تھی جو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں بے عدیل تھا۔ اسی قبیلے کی فصاحت و بلاغت اور اس سے اپنے بچپن کی نسبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخر بھی فرمایا کرتے تھے۔ شبلی نعمانی کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلد اوّل میں حضورؐ کی تاریخِ ولادت کے تذکرے کے بعد رضاعت کے عنوان میں لکھتے ہیں:۔

" ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ " میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے "۔ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلے کو کہتے ہیں۔"

کتنی خوش بخت تھیں حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کے درد انگیز مرثیوں کو الہامی فصاحت اور روحانی بلاغت رکھنے والے صاحب الجمال، سیّد البشرؐ کی سماعت اور داد و تحسین نصیب ہوئی۔

شاعرہ کے چھوٹے بھائی معاویہ کا قتل ہی فی الحقیقت اُن کی مرثیہ گوئی کی بنیاد بنا۔ پھر جب صخر اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو اُس کی آنکھوں سے نہ رُکنے والے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے۔ اِدھر اُن کے دُکھی دل سے مرثیوں کے اکھوے اُبل پڑے۔ بھائیوں کی موت کے اس سانحے سے قبل وہ بہت قلیل تعداد میں شعر کہا کرتی تھیں اور اُن اشعار کے موضوعات زیادہ تر خاندانی وجاہت اور اظہارِ فخر پر مبنی ہوتے تھے۔ خنساءؓ کے معاصرین میں تین نمایاں شعراء ایسے تھے، جنہوں نے شخصی مرثیے لکھے۔ درید بن الصمۃ، ذوالاصبع عدوانی اور لبید بن ربیعہ۔ ان میں درید بن الصمۃ تاحیات اپنے بھائی کے قتل پر مرثیہ گوئی کرتا رہا۔ مگر یہ تینوں مذکورہ شعراء مرثیہ کہنے میں خنساءؓ کے پایہ کو نہ پہنچ سکے۔ درید کے بعض مرثیے مؤخر الذکر دونوں شعراء کی نسبت زیادہ اثر انگیز ہیں۔ یہی وہ شاعر ہے جو اپنی شہسواری، جنگجوئی اور سخن وری میں یگانۂ روزگار تھا۔ اسی نامور سخن ور نے عہدِ شباب میں خنساءؓ (اُس وقت شاعرہ مشرف بہ اسلام نہ تھیں) کو پیغامِ نکاح بھیجا تھا جسے شاعرہ نے یہ کہہ کر نامنظور کر دیا تھا کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے متعلق کسی بھی دوسرے قبیلے کے سردار کو اپنے خاندان اور قبیلے کے افراد پر ہرگز ترجیح نہیں دے گی۔ شاعرہ نے عملاً بھی اپنے اس عہد کو نبھایا اور اپنے ہی قبیلے کے ایک معزز شخص سے اپنا رشتۂ ازدواج منسلک کیا۔ جب اپنے جواں سال بھائیوں کی موت پر حضرت خنساءؓ نے نہایت درد انگیز مرثیے کہے تو اُن کے معاصرین شعراء (خصوصاً زمانی اعتبار سے کچھ سینئر) اُن کے فن کے اور زیادہ قائل ہوگئے۔ ان میں درید سرفہرست تھا۔ نابغہ، جریر اور بشار تو خنساءؓ کے بے مثل مراثی کی بناء پر انہیں بہت سے مرد معاصرین پر فوقیت بھی دیتے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ شخصی مرثیوں میں بھائی کا رشتہ پوری عربی شاعری میں باکمال مرثیے تخلیق کرواتا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت خنساءؓ نے شخصی مرثیے اپنے بھائیوں کے مرگِ ناگہانی کے حوالے سے لکھے اور ادھر کئی صدیوں کے بعد فارسی ادب میں

عہدِ صفوی کا سب سے بڑا مرثیہ گو محتشم کاشی یا محتشم کاشانی بھی بھائی ہی کے مرنے پر شخصی مرثیہ تخلیق کرتا ہے۔ یہ صدمۂ زعاف بعد کو ایک وسیع کینوس اختیار کر جاتا ہے اور بیرونی و سیاسی صورتِ حال کے توسط سے رفتہ رفتہ شہدائے کربلا کے شاہکار مرثیوں پر منتج ہوتا ہے۔

حضرت خنساء رضؓ نے بھائیوں کی موت پر جو ناقابلِ فراموش مرثیے لکھے اس نے لوگوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی عالمہ و فاضلہ بھی خنساء رضؓ کے حزن و ملال کی قائل ہو گئی تھیں اور زیرِ موضوع شاعرہ کے زورِ کلام اور اشعار میں موجود حد درجے کے سوز و گداز اور رقت انگیز خیالات و اسلوب نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخت طبیعت اور جلیل القدر صحابی رضؓ تک کے دل کو بھیسج کر رکھ دیا تھا۔

جناب محمد کاظم اپنے مضمون "ایک جاہلی مرثیہ پڑھ کر" میں رقم طراز ہیں:

"اس کو اخیر زمانے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا سر گھٹا ہوا تھا، آنکھیں رو رو کر سفید ہو گئی تھیں اور وہ ایک لاٹھی کا سہارا لے کر چلتی تھی۔ صخر کی موت نے اس عورت کو ایک پُر گو اور پُر اثر شاعرہ بنا دیا۔ اور اس کے مرثیوں کی صدا اطراف و جوانب میں گونجنے لگی۔ ایک مرتبہ جب عکاظ کے مشاعرے میں اس غم زدہ نے اپنا ایک مرثیہ پڑھ کر سنایا تو سننے والوں کے دل دہلا ڈالے۔ عرب کا جہاں دیدہ شاعر اور نقاد نابغہ جو اس سال مشاعرے کا صدر تھا، خنساء رضؓ کا کلام سن کر کہنے لگا" اے دخترِ عرب! اگر تجھ سے پہلے اعشیٰ اپنا کلام نہ سنا چکا ہوتا تو میں تمہیں جن و انس کی سب سے بڑی شاعرہ قرار دیتا۔"

آپ نے ان سطور میں نابغہ ذبیانی جیسے فطین نقاد اور باکمال شاعر کا خنساء کے کلام پر تبصرہ ملاحظہ فرمایا۔ بنو امیہ کے زمانے کا نامور اور کسی حد تک زبان دراز شاعر جریر

تو اس کے فن کا اس قدر مداح تھا کہ جب اُس سے کسی نے پوچھا "تمہارے نزدیک عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے ؟" تو اُس نے بے ساختہ جواب دیا: "اگر وہ خنساء نہ گزر چکی ہوتی تو مَیں کہتا جریر" حضرت خنساءؓ سے متعلق ایک دلچسپ اور عجیب روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کی موت کے بعد سرِ ماتمی لباس کی علامت کے طور پر سیاہ رنگ کی چادر مستقل طور پر لے لی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ اپنے آخری ایام میں بظاہر انہوں نے رونا دھونا اور گریہ وزاری بہت کم کر دی تھی مگر وہ کالی چادر تا دمِ مرگ اپنے ساتھ لگائے رکھی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ اس سیاہ چادر پر ماتمی لباس اور اسلام کی ممانعت کے حوالے سے تنقید بھی کی مگر اُس بلیغ اشعار کہنے والی بے عدیل شاعرہ نے کچھ اس انداز سے اپنی بلاغت آمیز گفتگو کی اور ایسا شاعرانہ نکتہ نکال کر دلائل دیئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی فطین عالمہ لاجواب ہو گئیں بلکہ خنساءؓ کے سوگ اور گریہ وزاری کے جواز کی قائل بھی ہو گئیں۔

اسی سیاہ پوش اور سراپا ماتم شاعرہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فلا و اللہ لا انساک حتّی
افارق مہجتی و یشق رمسی
فقد ودعت یوم فراق صخر
ابی حسّان لذاتی و اُنسی
فیا لھفی علیہ و لھف اُمّی !
اُیصبح فی الضریح وفیہ ؟ یمسی

ترجمہ: "خدا کی قسم! جب تک جسم میں جان ہے اور جب تک میری اپنی قبر نہیں کھودی جاتی ہیں ہَیں تمہاری یاد سے غافل نہیں ہوں گی۔ مَیں نے صخر کے وداع کے دن سے زندگی کی تمام لذتوں اور دلچسپیوں سے کنارہ کر لیا ہے اور ہائے افسوس میرے بھائی پر وائے افسوس! کیا اُس کی صبح بھی اور شام بھی اب قبر کے اندھیرے غار میں ہُوا کرے گی ؟"

واقعی قبر کے اندھیرے غار اور کسی عزیز کے اس غار میں چلے جانے کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ خنساءؓ کے مراثی میں بکا، فراق اور آنکھوں کے نمناک رہنے کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ آنکھوں کے کرب کو حضرت خنساءؓ نے بالخصوص ایک تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ اپنے مرثیوں میں بارہا اپنی آنکھوں سے خطاب کرتی ہیں، کبھی اس تخاطب میں اُن کی روانی پر دُکھ بھری حیرت کا اظہار کرتی ہیں اور کبھی عارضی طور پر آنسوؤں کا رُک جانا اُنہیں بڑی ناگوار گزرتا ہے اور وہ اُن کو اپنے بھائی کی صفات و خصائل یاد دلا کر اُنہیں رونے کی طرف مائل کرتی ہیں۔
صخر کے مرثیے میں وہ اپنی آنکھوں سے تخاطب کی وساطت سے کیوں آہ و بکا کرتی ہیں:

اعینیّ جودا ولا تجمدا!
ألا تبکیان لصخر الندی؟
ألا تبکیان الجری ء الجمیل
ألا تبکیان الفتی السیّدا
رفیع العماد، طویل النجا
د، ساد عشیرته امردا

ترجمہ: "اے مری آنکھوں خوب آنسو بہاؤ اور خشک نہ ہو جاؤ، کیا مجسمۂ جود و سخا صخر کے لیے تم آنسو نہیں بہاؤ گی؟ کیا اُس نوجوان سردار پر تم نہیں روتیں جس کے خیمے کے ستون بلند تھے۔ قد آور ہونے کی وجہ سے، جس کی تلوار کا پرتلہ لمبا تھا، اور جو داڑھی نکلنے سے پیشتر ہی نوجوانی میں اپنی قوم کا سردار بن چکا تھا۔"

مرثیے کے ان اشعار کی ابتداء میں آنسوؤں سے تخاطب ایک معصومانہ بے بسی کا نقشہ ہے جس سے مرثیے کے پُرگداز تأثر میں اضافہ ہو رہا ہے، بعینہٖ استفسار کے انداز میں بھی ایک مخصوص بے کسی ٹپک رہی ہے، پھر "ألا تبکیان"

اس استفسار کی صوتی تکرار اور مغموم آہنگ نے فنی طور پر اس مرثیے کو نکھار دیا ہے۔ اس بے بسی اور بے کسی سے بھرپور استفسار میں معنوی حُسن یہ ہے کہ شاعرہ کی آنکھیں رو رو کر خشک ہوتی جا رہی ہیں اور اصولِ نفسیات اور آنسوؤں کی آمد کا ایک نفسیاتی اور طبی حربہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی سوچ میں کسی عزیز شخصیت خصوصی طور پر وہ جو ہمیشہ کے لیے بچھڑ چکی ہے اُس کے بارے میں اُس کی خوبیاں، صفات معاً اُس پر بیتنے والی تکالیف کے حوالے سے ارتکازِ فکر سے کام لے (یہاں ارتکازِ فکر سے مراد کوئی فلسفہ یا نظریہ نہیں بلکہ ایک بھرپور محویت سے اُسے یاد کرنا مراد ہے) تو آنسو طبی و نفسیاتی اصول کے تحت کچھ وقفے کے بعد پھر رواں ہو جاتے ہیں۔ شاعرہ کو اسی درمیانی وقفے نے ارتکاز و استفسار کا موقع فراہم کیا ہے جسے شاعرہ نے فنی طور پر مصرعے میں سمو کر امر کر دیا ہے۔

معاویہ کی موت پر خنساءؓ کا ایک بے مثل شعر ملاحظہ ہو جس میں مصرعِ ثانی کا صوتی آہنگ فنی و لسانی حُسن کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

خنساءؓ کہتی ہیں ؎

فخر الشوامخ من قتلهٖ

وزلت الارض زلزالها

ترجمہ: "معاویہ کی موت سے یوں لگتا ہے جیسے کہسار اوندھے منہ گر پڑے ہوں اور زمین کو ایک زلزلے نے آلیا ہو۔"

زیرِ بحث شاعرہ کے سینئر معاصرین اور قدرے جونیئر ہمعصروں (ناقدین و شعراء) کی تنقید، تبصرے و آراء کی روشنی میں ہم حضرت خنساءؓ کو بلاشبہ عہدِ جاہلیت کی صفِ اوّل اور مخضرم شعراء کے عہد کی بہترین شاعرہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

الا یا صخر ان ابکیت عینی

فقد اضحکتنی دهرا طویلا

دفعت بك الخطوب وانت حيّ
فمن ذا يدفع الخطب الجليلا؟
اذا قبح البكاء على قتيل
رأيت بكاءك الحسن الجميلا

ترجمہ: " اے صخر! اگر میری آنکھوں کو تم رُلا رہے ہو تو طویل زمانے تک
تم نے مجھے ہنسایا بھی تھا۔ جب تم زندہ تھے تو میں اپنی مصیبتیں
تمہارے ذریعے دُور کرتی تھی لیکن اب اس بڑی مصیبت کو کون
دُور کرے گا؟ جب کسی مقتول پر رونا بُرا مانا جائے اُس وقت بھی
تجھ پر رونا اچھا اور پیارا کام تصور کروں گی۔"

صخر پر لکھے گئے اِس مرثیے کو میں ذاتی طور پر حضرت خنساءؓ کے شاہکار مرثیوں میں شمار کرتا ہوں اور بلا شبہ یہ ہے بھی ایک شاہکار تخلیق ۔ اس میں مرثیے کی اصل روح جھلک رہی ہے اور شاعرہ نے غم و اَلم کے سمندر میں ڈوب کر مرثیے کی کنہ کو حاصل کیا ہے۔ ایک ایک مصرع ایک ایک لفظ سے شاعرہ کے باطنی کرب اور دلی ملال کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ بے سہارا بہن کی تمام تر نفسیات ان اشعار میں یوں بند ہے جیسے کوزے میں سمندر سمو گیا ہو۔ اُن دو مصرعوں پر مکرر غور فرمایئے کہ شاعرہ کی بے کسی کتنے عروج پر نظر آتی ہے۔ مصرع اولیٰ میں شاعرہ کی دنیاوی بے بسی اپنی انتہا پر ہے اور مصرع ثانی میں شاعرہ کی ذہنی اور قلبی بے بسی اپنے گداز آمیز ماحول کے لیے ایک کربناک فضا تیار کر رہی ہے جسے کوئی بھی صاحبِ دل محسوس کر کے تڑپ اُٹھتا ہے۔ وہ دونوں مذکورہ مصرعے یہ ہیں ؎

دفعت بك الخطوب وانت حيّ
فمن ذا يدفع الخطب الجليلا؟

ترجمہ مکرر تحریر کر رہا ہوں :-

" جب تم زندہ تھے تو میں اپنی مصیبتیں تمہارے ذریعے سے دُور

کرتی تھی لیکن اب اس بڑی مصیبت کو کون دُور کرے گا۔"

ع فمن ذا يدفع الخطب الجليلا؟

اِس انتہائی دُکھ بھرے استفسار (اور وہ بھی ایک دُکھی بہن کی زبان سے کیے جانے والے سوال) پر دل خود بخود ملول و مغموم ہو جاتا ہے۔ بھائی کی جواں مرگی پر جذباتِ خواہر کی ایسی عکاسی پوری عربی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی۔ درد کی فصیلوں میں مقید شاعرہ کی یہ آواز واقعی دل دہلا دینے والی ہے۔ جُدائی اور کبھی نہ ختم ہونے والی جُدائی کو "الخطب الجليلا" کہہ کر اس کی معنویت کو شاعرہ نے مزید بلیغ کر دیا ہے۔ حضرت خنساءؓ نے ۲۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور بادیہ میں مدفون ہوئیں۔ ۸ھ میں اپنے پورے قبیلے سمیت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئیں اور یوں ایک نغز گو اور بلند پایہ مرثیہ گو شاعرہ ایک جلیل القدر صحابیہؓ بن گئیں۔ اُن کی اسلامی زندگی تقریباً سولہ سالہ عرصے پر محیط ہے۔ اگرچہ انہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی بوساطت مراثی نوحہ و بین جاری رکھا مگر چند برس کے بعد اُن کے الم پسند مزاج اور مغموم میلان میں ایک عجیب و غریب اور قابلِ ذکر تبدیلی آئی۔ اُن کا نوحہ و گریہ پسند مزاج صبر و تحمل میں تبدیل ہو گیا۔ بھائیوں کی جواں مرگی پر شاہکار مرثیے تخلیق کرنے والی بے مثل شاعرہ نے عہدِ فاروقی میں جنگِ قادسیہ کے لیے اپنے چار جوان بیٹوں کو جنگ میں لڑنے کے لیے آمادہ کیا۔ بھائیوں کی مرگ پر اپنی سخن وری کے ذریعے کربناک شور و غوغا بلند کرنے والی اس شاعرہ کو جب چاروں بیٹوں کے قتل ہو جانے کی خبر ملتی ہے تو وہ غیر متوقع طور پر نہایت صبر و سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں "خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ان کی شہادت سے عزت بخشی اور میں امید کرتی ہوں کہ وہ مجھے اُن سے ملا دے گا۔"

حضرت خنساءؓ کی شخصیت و مزاج میں اس تضاد پر مؤرخین و محققین کا کوئی تبصرہ نہیں ملتا۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خنساءؓ کو "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ"

کا ادراک ہو چکا ہو گا۔ . . (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب)

بہر حال یہ نوا اُن کی طویل زندگی کے آخری سالوں کا ذکر ہے لیکن اگر ہم انہیں عربی شعر و ادب کی دنیا میں بطور شاعرہ دیکھیں تو سخن وری کی اس دنیا میں داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساڑھے چودہ سو برس قبل کی شاعرہ اپنے دکھوں کی بارش میں سر پر غموں کی اوڑھنی ڈالے بے کسی کی لاٹھی ٹیکتے ہوئے آج بھی اپنے قارئین کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے جواں مرگ بھائیوں کے لیے بَین کر رہی ہے۔ یہ اُس زال کوزہ پشت، محرومِ بینائی ضعیفہ کے فکر و فن اور دلی کرب کی صداقت کا ہی کمال تھا کہ ان کے دل گداز اور درد انگیز کلام کو سن کر جاہلی عربوں کے بڑے بڑے بربریت پسند، کٹھور اور سنگ دل سرداروں اور سخت گیر لوگوں کے پتّے پانی ہو جایا کرتے تھے۔ بعد کو اسلامی عہد میں حضرت خنساءؓ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داد و تحسین میسر آئی۔ بڑے بڑے جیّد صحابہؓ اور امہات المومنینؓ ان کے فن اور اثر انگیزی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ جاہلیت اور ظہورِ اسلام ہر دو زمانوں میں حضرت خنساءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فصیح و بلیغ سخن وری سے بڑے بڑے جیّد اور اجلّ شعراء پنبہ دہن جایا کرتے تھے۔

بقیہ: حرف اول

ڈاکٹر محمد اقبال صافی صاحب نے اپنے اپنے علاقے کی انجمنوں کی کارکردگی کا مختصر جائزہ پیش کیا۔ آخر میں صدر موسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ صدر موسس نے اپنے مختصر خطاب میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے مسرت و اطمینان کا اظہار کیا کہ "رجوع الی القرآن" کی یہ تحریک اب نہ صرف یہ کہ جڑ پکڑ چکی ہے بلکہ اس کام کی وسعت اور پھیلاؤ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے بالخصوص ماہ رمضان المبارک کے دوران پاکستان کے متعدد شہروں میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کے انعقاد کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لاہور اور کراچی میں متعدد مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کا ہونا نہایت خوش آئند ہے اور بلاشبہ اس چیز کو رجوع الی القرآن کی دعوت میں نمایاں پیش رفت کا مظہر قرار دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کراچی اور لاہور کے علاوہ فیصل آباد اور ملتان میں بھی اس سال دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام منعقد ہوئے۔ نماز عشاء پر یہ اجلاس اپنے اختتام کو پہنچا۔ ○○